مدارسِ دینیہ کا نصابِ تعلیم
تالیف
فقیہ العصر حضرت مولانا
مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی
نور اللہ مرقدہ
www.alhaqqania.org

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

مدارس دینیہ کا نصاب تعلیم

دورہ حدیث شریف کی مدت تعلیم

حضرت مولانا فضل محمد صاحب رحمہ اللہ کے نام حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب گرامی میں دورہ حدیث شریف کے بارہ میں دو سال ختم کی تجویز کا جو اظہار فرمایا ہے دینی مدارس کے ارباب اہتمام کو اس پر سنجیدگی سے غور فرمانے کی ضرورت ہے اس طریقہ سے حدیث شریف کے ساتھ طلباء کا اشتغال زیادہ رہے گا اور اس فن شریف سے مناسبت کے پیدا ہونے کی زیادہ قوی امید ہے حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالی نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ دو سال میں ہونا زیادہ مفید ہے۔(ص۳۷۲)

اس قسم کی جزوی اصلاحات اور ترمیم نصاب میں ہوتی رہتی ہے، اب بھی وفاق المدارس کے نصاب میں غور کے بعد کافی ترمیم ہوئی مگر کتابوں کی تبدیلی کے ساتھ ترتیب کتب اور طریقہ تعلیم میں تبدیلی زیادہ مفید معلوم ہوتی ہے، جیسے دورہ حدیث شریف میں کتابوں کی تبدیلی کی بجائے اس کو دو سال میں پڑھایا جایا کرے تو زیادہ مفید ہوگا اور طریقہ تعلیم بھی متقدمین کے طرز پر ہو کہ کتاب کے حل اور متعلقہ مباحث پر زیادہ وقت صرف کیا جایا کرے خارجی ابحاث اگرچہ

بہت مفید ہوں مگر ان پر ایسے طریقہ سے بحث کی جائے کہ اصل کتاب کے مضامین میں مفید ہوں ایسا نہ ہو کہ اصل کتاب کے مباحث سے طلباء کی نظر اوجھل ہو جائے اور خارجی امور ہی مطمح نظر بن کر رہ جائیں طویل تقریروں میں اکثر ایسا ہی ہو جاتا ہے۔

ایک لطیفہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانہ کانپور کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک استاذ صاحب میزان الصرف میں الف لام کی چار قسمیں استغراق وغیرہ بتلا رہے تھے، تو حضرت نے فرمایا کہ مولانا اس غریب کو تو ایک ہی قسم استغراق کی معلوم ہے یہ آپ کی اس تطویل کو نہیں سمجھتا بس اس میں مستغرق ہے۔

کتب تدریس اور طریقہ تدریس

نیز مکررات ابحاث میں ایک اچھی طرح بحث کر دی جائے پھر مختصر حوالہ کو کافی سمجھا جائے، دوسری کتابوں میں بھی وہ مباحث مکرر آتے ہیں اساتذہ کرام ان میں اختصار سے کام لیں، ایمان اور عبادات وغیرہ کے اختلافی ابحاث میں جو ہر کتاب میں تحقیقات میں وقت صرف ہوتا ہے وہ بہت ہی مفید اور نافع ہوتا ہے کیونکہ ہر کتاب کی خصوصیات ہوتی ہیں اور ہر استاذ کا تجربہ اور طریقہ افہام علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے مگر وقت کی کمی کی وجہ سے کتابوں کے آخری حصوں کا بہت کم حق ادا

ہوتا ہے اور بعض ابواب پر کما حقہ بحث اور افہام کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

اصول حدیث میں نخبۃ الفکر کا پڑھانا لازمی ہونا چاہیے اور کچھ حصہ تدریب الراوی کا بھی ہو جائے تو بہتر ہے اس طرح تفسیر میں جلالین شریف مفید درسی کتاب ہے وہ عربی میں ترجمہ قرآن کریم ہے، اور مختصر طریقہ سے حل قرآن بھی ہے تجربہ سے اس کا مفید ہونا محقق اور ثابت ہے، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے گرامی بھی یہی ہے، البتہ وہ پڑھانے کے طرز کے شاکی ہیں اور تفسیر میں اضافہ کی ضرورت بھی فرماتے ہیں اگر جلالین کے ساتھ تفسیر مدارک کا اضافہ کر دیا جائے تو بہتر ہو، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تجویز بھی دارالعلوم دیوبند کے دورہ تفسیر والوں کیلئے یہی تھی، اس سے پہلے لفظی ترجمہ اردو میں طالب علم تین سال پڑھا ہوا ہوتا ہے اب قواعد عربیت کے لحاظ سے اس کو پڑھنا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حنفی مسلک کی تفسیر ہے، اور تفسیر بیان القرآن مؤلفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا مطالعہ ضروری سمجھا جائے تو نور علیٰ نور ہوگا۔

اصول تفسیر میں الفوز الکبیر کے ساتھ تفسیر اتقان کے منتخب مضامین کو داخل نصاب کرنا مفید ہوگا، فقہ میں نور الایضاح صرف عبادات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا بیان ہے، قدوری میں ان عبادات کے احکام کا تکرار اور بیوع، مضارعت، مضاربت وغیرہ معاملات اور میراث، وصایا وغیرہ کا بیان بھی آجاتا ہے، پھر

شرح وقایہ میں ان احکام کی تعلیلات پر بھی طالب علم کی توجہ دلائی جاتی ہے،ہدایہ میں تو تقریبا ہر مسئلہ کی نقلی اور عقلی دلیل پر طالب علم کو عبور حاصل ہو جاتا ہے۔ تفسیر،حدیث،فقہ انہی تین علوم کی تحصیل اصل موضوع ہے درس نظامی کا اور یہ نہایت جامع نصاب ہے البتہ محنت اور طریقہ سے پڑھنے اور پڑھانے کی ضرورت ہے، پہلے مطالعہ طریقہ سے کیا جائے اور اس میں معلومات کو مجہولات سے ممیّز کرلیا جائے کہ سبق میں فلاں فلاں باتیں تو خود مطالعہ سے ہی معلوم ہوسکتی ہیں اور فلاں فلاں باتیں بغیر استاذ کے سمجھ میں نہیں آسکتیں،پھر سبق توجہ سے پڑھا جائے استاذ کی تقریر غور سے سنی جائے اور ان مجہولات پر خصوصی توجہ دی جائے اس کے بعد سبق کا تکرار کیا جائے،ان تینوں امور کا التزام کیا جائے تو ان شاءاللہ تعالی کتاب حل ہو جائیگی اور سمجھ میں آجائیگی۔

پرانا طریقہ تعلیم

پرانا طریقہ تعلیم تو یہ تھا کہ طلباء مطالعہ میں خود کتاب کو حل کرکے لاتے تھے اور عبارت کا صحیح کرنا اور اس کا ترجمہ کرنا پھر مسئلہ کی تقریر کرنی طالب علم کے ذمہ ہوتا تھا،کہیں غلطی ہو جاتی تو استاذ اصلاح فرماتے تھے،اس طرح طلباء میں عبارت فہمی کی استعداد پیدا ہوتی تھی اور علمی لیاقت بڑھتی تھی اور قوت مطالعہ اتنی قوی ہوجاتی تھی کہ اس فن کی جو کتاب بھی سامنے آجاتی اس کو مطالعہ سے حل کرلیا کرتے تھے، یہ طریقہ نہیں تھا کہ طلباء عبارت کتاب پڑھ کر فارغ ہو گئے اب

استاذ صاحب تقریر فرمار ہے ہیں طلباء کی مہربانی ہے کہ اس کو سن لیں، ورنہ کوئی اونگھ رہا ہے کوئی ادھر ادھر دیکھنے میں مشغول ہے یہ تو سبق میں حاضر طلباء کا حال ہے اور بہت زیادہ طلباء اسباق میں اس برائے نام حاضری سے بھی محروم ہی رہتے ہیں، پھر کامل استعداد کے طالب ہوتے ہیں اپنے نقص کی اصلاح کی طرف توجہ کرنے کی بجائے نصاب کی اصلاح کے درپے ہو جاتے ہیں پھر وہ اصلاح بھی موضوع سے متعلق نہیں بلکہ زیادہ تر اصلاحات موضوع سے غیر متعلق ہی ہوتی ہیں یعنی درس نظامی اور دینی مدارس سے ان کا تعلق نہیں ہوتا فی نفسہ اگر چہ وہ مفید ہی ہوتی ہوں۔

علوم جدیدہ کی ہوس

کوئی کہتا ہے تاریخ، اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات، علم النفسیات، جدید علم کلام اور فلسفہ جدید وغیرہ وغیرہ اس میں نہیں ہے، ٹھیک ہے ان علوم کی بھی ضرورت ہے مگر غور طلب بات تو یہ ہے کہ جن علوم کو درس نظامی میں داخل کیا ہوا ہے اور جو علوم نصاب کے موضوع ہیں ان میں آپ نے کتنی استعداد ولیاقت حاصل کی ہے جو غیر ماوضع لہ کی طلب کر رہے ہیں؟ اور متعلقہ علوم میں کتنا کمال حاصل کیا ہے جو غیر متعلقہ علوم کی تمنا پیدا ہو گئی؟

اکثر دیکھنے میں آرہا ہے جو طلباء ناقص استعداد ہوتے ہیں وہی دوسرے غیر متعلقہ علوم کے طالب ہوتے ہیں ورنہ جن طلباء کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے کتاب

وسنت اور فقہ میں کسی قدر مناسبت حاصل ہوگئی ہے وہ تو ان علوم کے ساتھ تمام عمر وابستہ رہنے کو اپنے لیے سعادت دارین اور وسیلہ نجات سمجھتے ہیں اور ساٹھ ساٹھ ستر ستر برس تک اپنی علوم کی آبیاری اور اشاعت میں گزار دیتے ہیں اور دینی مدارس کی نمک خواری کا حق ادا کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اللھم اجعلنا منھم۔

دینی و دنیوی مدارس

پھر یہ بھی غور طلب بات ہے کہ ہر مفید اور ضروری چیز کو ہر ایک مدرسہ کے نصاب میں داخل کرنا کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا، ڈاکٹری، وکالت، انجینئری تمام امور اپنی اپنی جگہ پر مفید بلکہ ضروری ہیں مگر اکثر ان کی درسگاہیں اور کالج علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور ہر ڈاکٹر کا وکیل یا انجینئر ہونا ضروری قرار نہیں دیا جاتا بلکہ ہر کالج کو اپنی جگہ مفید اور ضروری قرار دیا جاتا ہے اور ہر فن کی تعلیم گاہوں اور کالجوں کا انتظام کیا جاتا ہے، نہ معلوم دینی علوم کی درسگاہوں اور ان کی تحصیل کو اس نگاہ سے کیوں نہیں دیکھا جاتا کہ اپنے شعبہ میں درجہ تخصص حاصل کرنے کیلئے یہ درسگاہیں بھی ضروری اور مفید ہیں اور ان کی افادیت اور نافعیت اصل دائرہ عام مسلمانوں کی دینی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے۔

دنیوی فنون کے ساتھ دینی علوم کی ضرورت

دوسرے دنیوی علوم وفنون کی تحصیل کی افادیت اور ضرورت ایک حد

تک مسلم ہے اور اس کی طرف حکومت کی توجہ بھی کافی حد تک مبذول ہے، اور قومی خزانہ سے بھی اربوں روپیہ اس دنیوی تعلیم پر خرچ ہوتا ہے، مگر چونکہ اس دنیوی تعلیم کا نصاب صرف دنیوی مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہے اور یہ وہی انگریزوں کے زمانہ حکومت سے فرسودہ نظام چلا آرہا ہے اور فرنگی کی روح اس میں کارفرما ہے اس لئے اس سے دینی تعلیم حاصل نہیں ہوتی نہ ان کے ارباب انتظام کو اس کا فکر ہے کہ قوم کو دینی تعلیمات سے بھی روشناس کیا جائے، دنیوی تعلیم کی بڑی ڈگریاں حاصل کر لی جاتی ہیں مگر دینی علوم کی ابجد سے بھی اکثر ان ڈگری یافتہ لوگوں کو واقفیت حاصل نہیں ہوتی نہ اس کی فکر ہی ہوتی ہے کہ بحیثیت قوم مسلم ان کو دینی ضروری معلومات بھی حاصل کرنے کی ضرورت ہے، نہ وہ نصاب تعلیم میں ضروری دینی علوم کو شامل کرتے ہیں۔

سرکاری مدارس میں دینی علوم کو شامل کرنے کی بجائے اور اپنے نصاب تعلیم میں تبدیلی کرنے کی ضرورت محسوس کرنے کی بجائے ملک میں جو قومی چندوں سے چند مدارس دینیہ قائم ہیں اور ان کا موضوع اور اصل مطمح نظر صرف قرآن وسنت اور فقہ وغیرہ علوم دینیہ کی تعلیم دینا ہی نہیں بلکہ ان علوم میں مہارت تامہ پیدا کرنا اور ان علوم میں ایسے فضلاء کو تیار کرنا ہے جو ہر پیش آمدہ مسئلہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں دلائل سے ثابت کرسکیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ یہ مدارس دینیہ بھی سرکاری مدارس اور کالجوں کے نصاب تعلیم کو قبول کر لیں اور ان

میں منضم ہو جائیں اور ان کا مستقل تشخص قائم نہ رہے، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ علوم دینیہ کے علماء وفضلاء پیدا ہونا بند ہو جائیں اور سلف صالحین کے علوم کی حفاظت کا کوئی نظام نہ رہے اور ہم ماڈرن اسلام جس طرح چاہتے ہیں ترتیب دے لیں اور اسی کو اسلام کی تعلیم قرار دے کر ملک میں نافذ کر دیں، یہ دینی مدارس ان کے ماڈرن اسلام کے منصوبے کی راہ میں حائل ہیں، اس لیے ان کو اس نظام پر طرح طرح کے اعتراضات اور شبہات پیدا ہو رہے ہیں، اور اب سے نہیں عرصہ دراز سے ہو رہے ہیں۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ دو طرح کی تعلیم سے دین و دنیا کی تفریق ہو رہی ہے، مگر ان کو لاء کالج اور میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج اور زراعت کالج وغیرہ سے کسی قسم کی تفریق کا خدشہ نہیں ہوتا نہ اس کو وہ قومی خزانہ کا ضیاع سمجھتے ہیں۔ البتہ ان کو قومی چندہ کے ضیاع کا بڑا فکر ہے جس پر دینی مدارس قائم ہیں۔اور کسی جبر واکراہ کے بغیر اہل خیر کے عطیات وصدقات سے وہ چل رہے ہیں اور اہل خیر ان کو اپنے لئے ذخیرہ آخرت سمجھتے ہیں اور اپنی عاقبت کی درستگی کا ذریعہ تصور کرتے ہیں اور اپنی مدد آپ اور امداد باہمی کے اصول پر تعاون کرتے ہیں۔ان کو قوم پر بوجھ سمجھا جاتا ہے اور ذلت کا طعنہ دیا جاتا ہے، بخلاف حکومت کے خزانہ کے اکثر وبیشتر جس میں جبر واکراہ سے وصول کئے ہوئے ٹیکسوں سے رقومات جمع ہوتی ہیں، جو سرکاری مدارس ملک میں چل رہے ہیں ان پر کسی قسم کا طعنہ بھی نہیں

وہ باعزت ہیں، یہ مدارس دینیہ ہر طرح سے قابل طعن اور لائق ملامت ہیں۔

انگریز کی پیدا کی ہوئی ذہنیت کا اور اس کے نظام تعلیم کا یہی اثر ہونا چاہیے کہ علماء اور مدارس دینیہ کے فضلاء کو ذلیل سمجھا جائے اور ان کے خلاف ہر طرح کا پروپیگنڈا نہ صرف روا بلکہ ضروری سمجھا جائے، ان کے نزدیک صرف سرکاری مدارس کے فضلاء ہی عزیز اور باعزت ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں کبھی نہیں آئی کہ بغیر جبر واکراہ کے چندوں سے قائم شدہ قومی مدارس تو قوم پر بوجھ ہی ہوں اور ان کے فضلاء کو معاشرہ میں عزت کا کوئی مقام حاصل نہ ہو بلکہ جبر وتشدد سے حاصل شدہ ٹیکسوں سے قائم شدہ سرکاری سکول، کالج قوم پر بوجھ بھی نہ ہوں اور ان کے فضلاء اور ان کے ڈگری یافتہ معزز اور قابل احترام بھی ہوں۔

دین ودنیا میں تفریق

غور طلب بات یہ ہے کہ دین ودنیا کی تفریق کون کر رہا ہے، دنیوی فنون کے ڈگری یافتہ جس طرح قابل عزت ہیں، علوم دینیہ کے فضلاء جن لوگوں کے نزدیک قابل عزت اور لائق احترام نہیں ہیں تفریق وہ کر رہے ہیں، وہ لوگ ایک وکیل کی خدمت کو قابل احترام سمجھتے ہیں اور اس کو قانون حکومت کا محافظ سمجھتے ہیں مگر ایک ڈاکٹر کو بھی اسی نگاہ عزت سے دیکھتے ہیں ان دونوں میں تفریق نہیں کرتے اگرچہ دونوں نے علیحدہ علیحدہ کالجوں میں تعلیم حاصل کی ہے اور دونوں کے منصب بھی جدا جدا ہیں لیکن دینی مدارس کے فضلاء کا احترام ان لوگوں کے

دلوں میں کیوں نہیں ہوتا، چاہیے تو یہی تھا کہ سرکاری مدارس کے فضلاء اور دنیوی فنون کے ماہرین کی طرح مدارس دینیہ کے ان فضلاء کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جاتا کہ ان کو بھی کم سے کم ایسا ہی سمجھا جاتا کہ یہ بھی ایک قومی، دینی ضرورت کو پورا کررہے ہیں بلکہ اس حیثیت سے اور بھی زیادہ ان لوگوں کو ارباب مدارس دینیہ کا شکر گزار اور ممنون ہونا چاہئے تھا کہ دینی علوم کے تحفظ کی جو ذمہ داری ہم پر تھی اس کی ادائیگی ان مدارس کے ذریعہ ہورہی ہے، اگر دنیوی فنون کے ان مختلف کالجوں کی ملک میں ضرورت ہے تو دینی علوم کے تحفظ کی ضرورت کیوں نہیں؟

دینی اور دنیوی تعلیم کی درسگاہوں کی یہ دوئی کاطعنہ اور اس کو ختم کرکے جامع درسگاہوں کے قیام کا مطالبہ آج سے تو نہیں بلکہ جب سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالی اور ان کے رفقاء کار نے دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی تھی اسی وقت سے اس کی کوششیں کی جارہی ہیں، ندوۃ العلماء لکھنؤ جس کی بنیاد دارالعلوم دیوبند کے بعد ۱۳ ھ میں رکھی گئی اس کا مقصد بھی یہی بتلایا گیا تھا کہ دونوں علوم کے جامع فضلاء تیار کیے جائیں مگر سب نے دیکھ لیا کہ وہاں کے اکثر فضلاء کی توصیف اکبرالٰہ آبادی کے اس مصرعہ کی مصداق ثابت ہوئی کہ:

؎ اور ندوہ ہے زبان ہوش مند

علوم دینیہ میں مہارت اور عربی دانی

مگر سب جانتے ہیں صرف زبان دانی اور عربی تقریر میں مہارت حاصل

کرلینا علوم دینیہ میں فضل وکمال حاصل کرنے کیلئے کافی نہیں اور نہ ہی یہ مہارت دینی مدارس کا موضوع ہے، اہل عرب ان امور میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے باوجود بکثرت علوم دینیہ سے ناواقف ہوتے ہیں، حقیقت میں یہ اعتراض جو زبان زدعوام ہے کہ علوم دینیہ کے ماہرین کو بکثرت تحریر وتقریر پر قدرت نہیں حاصل ہوتی، اصل میں ایسا ہی ہے کہ سرکاری مدارس کے طلباء میں عربی تقریر وتحریر پر قدرت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ سرکاری مدارس کا موضوع بھی یہ تقریر وتحریر سکھلانا نہیں ہے اسی طرح دینی مدارس کا موضوع عربی زبان سکھلانا نہیں ہے یہ اعتراض موضوع سے بالکل غیر متعلق ہے بلکہ علوم دینیہ کی تعلیم ہے۔

اور جتنی عربی زبان ان علوم کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے وہ طلباء علوم دینیہ کو اچھی طرح آتی ہے اس میں ان کا مقابلہ غیر اہل عرب تو کیا خود اہل عرب میں بھی کوئی کوئی عالم کرسکتا ہے اس پر عربی زبان میں ہمارے علماء دیوبند کی تصانیف شاہد عدل ہیں، مگر یہ پروپیگنڈے کی دنیا ہے اور ہمارے علماء کرام نہ اس کو پسند کرتے ہیں اور نہ ان کے پاس اس کا سامان ہی ہے۔

اکابر علماء کی عربی کتب

حضرت مولانا ظفر احمد عثانی تھانوی رحمہ اللہ تعالی کی تصنیف اعلاء السنن ۲۱ جلدوں میں چھ ہزار صفحات پر مشتمل عربی زبان اور حدیثی خدمت کا اس صدی کا وہ شاہکار ہے جس کی تحقیقات کے علاوہ زبان کی تعریف میں عرب کے فضلاء

کاملین رطب اللسان ہیں۔ شیخ علامہ زاہد الکوثری مصری نے اس کی بعض جلدوں کو دیکھا تو فرمایا کہ میں اس کو دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا۔ حضرت مولانا عثمانی مرحوم کا مقدمہ اصول حدیث کو عرب کے مشہور فاضل علامہ ابوغدہ نے قواعد الحدیث کے نام سے شائع کرا کر حلب کے مدارس کے درس میں داخل کرایا ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالی کی شرح مسلم عربی زبان میں کارنامہ ہے جس کی مثال صدیوں میں مشکل سے ملے گی، یہ شرح تین جلدوں میں حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالی لکھ چکے تھے، بعد میں ہمارے محترم عزیز مولانا محمد تقی عثمانی سلمہم نے پانچ جلدوں میں اس کا تکملہ لکھ کر اس کی تکمیل کردی، والحمدللہ علی ذلک۔ جب یہ کتابیں مصر میں پہنچیں تو ترکوں کی سلطنت کے نائب شیخ الاسلام علامہ زاہد الکوثری جو مصر میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے، انہوں نے اپنے مجلّہ میں ارقام فرمایا تھا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالی جنہوں نے معارف السنن ترمذی شریف کی مبسوط شرح لکھنی شروع فرمائی، چھ جلدیں لکھی تھیں، جب مصر تشریف لے گئے، اور علامہ طنطاوی کی تفسیر الجواہر پر خود اس کے مصنف سے گفتگو ہوئی، اور اس تفسیر کی اغلاط پر فصیح عربی زبان میں اتنی روانی کے ساتھ ان کو مطلع کیا تو وہ مولانا مرحوم کی زبان دانی اور علوم دینیہ کے استحضار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا کانك ملك نزل من

السماء لاصلاح اغلاطی۔

الشیخ الجلیل حضرت مولانا سیدی خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالی کی بذل المجہود شرح ابو داؤد پانچ ضخیم مجلدات میں ،اور حضرت استاذی مولانا محمد ادریس احمد کاندھلویؒ کی شرح مشکوۃ ۷ مجلّات میں اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی شرح مؤطا اوجز المسالک ۵ مجلّات میں مطبوع اور متداول ہیں اور یہ سب عربی زبان میں ہیں۔

اور جن حضرات نے حدیث کی درسی کتابیں پڑھائی اور پڑھی ہیں ان کی قدر ان کو ہی ہے سطحی طور پر مطالعہ کے ذریعہ کتابوں پر عبور کرنے والوں کو انکی قدر و منزلت کا کما حقہ علم نہیں ہوسکتا جس شخص نے اس زمانہ میں بخاری شریف پڑھی اور پڑھائی ہوان کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ نے اسپر عربی میں حاشیہ لکھا اس زمانہ میں حدیث کا ہر طالب علم اور مدرّس اسی سے استفادہ کرر ہا ہے،شاید ہی کوئی مدرسہ ایسا ہو جواس سے خالی اور مستفید نہ ہوتا ہو، قریب قریب ایک سو اٹھارہ سال سے اس کا فیض عام چلا آرہا ہے، بخاری شریف کے آخری پانچ پاروں کا حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دار العلوم دیو بند کا لکھا ہوا ہے۔

یہ چند وہ حضرات علماء اور فضلاء کرام ہیں جنہوں نے عربی دانی کے گہوارے یا کسی ندوۃ العلوم اور جدید درسگاہوں میں عربی زبان کی تحریراً یا تقریراً

مشق نہیں کی تھی اور کسی زبان ہوش مند سے عربی کی اصلاح نہیں لی تھی بلکہ اسی فرسودہ نصاب تعلیم کے فیض یافتہ تھے،ان کے علاوہ بھی اسی فرسودہ نصاب سے فیض پانے والوں میں ایک کثیر تعداد ایسے فضلاء کاملین کی ہے جن کی عربی زبان کے ذریعہ دینی خدمات سے عالم عرب ایک جہاں فیض یاب ہورہا ہے اور ان شاءاللہ ہوتا رہے گا۔فضلاء مدارس دینیہ کی عربی زبان پر ایسی وقیع اور رفیع دینی خدمات اور ایسی عربی دانی کے باوجود جن کو دیکھ کر علماء مصر وحلب دنگ وششدر رہ گئے۔

ابوالکلام صاحب مرحوم کی رائے کا تجزیہ

حیرت ہے کہ جناب ابوالکلام صاحب مرحوم کا مدارس دینیہ کے نصاب تعلیم پر یہ تبصرہ اور ماہ فضل وکمال میں کیسے حقیقت پسندانہ قرار دیدیا گیا کہ، ۱۴،۱۵برس تک لڑکے پڑھتے ہیں اور دس سطریں عربی کی صلاحیت کے ساتھ نہیں لکھ سکتے،اگر لکھیں گے تو ایسی عربی ہوگی جس کو ایک عرب پہچان نہ سکے گا ایک بہت بڑا نقص ہے جو ہندوستان میں پیدا ہوا (ص۴۱۴)۔

گذشتہ حقائق کو سامنے رکھ کر اس کو حقیقت پسندانہ تجزیہ قرار دینا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے،البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ تبصرہ نگار کے اپنے بلند معیار پر ایسی تحریرات عربی زبان میں ان کی نگاہ میں نہ آتی ہوں اور ان کا معیار کوئی ایسا معجزانہ معیار ہوگا جس پر عربی زبان میں یہ خدمات پوری نہیں اترسکیں،پھر فاضل تبصرہ نگار کو ان خدمات کا مطالعہ ہی میسر نہیں آسکا ورنہ ایسی خدمات پر مطلع ہوکر

ایسی خلاف حقیقت بات منہ سے نکلنی مشکل تھی۔

علماء عرب تو انکی عربی دانی اور کمال علمی کا اعتراف کرتے ہوئے رطب اللسان نظر آتے ہیں، پھر یہ کہ تمام فضلاء کو ایک ہی معیار پر پرکھنے کو حقیقت پسندی نہیں کہا جا سکتا، کسی درس گاہ کے بھی تمام فضلاء ایک ہی معیار پر نہیں اتر سکتے ورنہ پھر امتحان میں نمبروں اور ڈگریوں میں یہ تفاوت کیوں ہوتا ہے۔

ہم اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے کسی معذرت کے بغیر عرض کرتے ہیں کہ قدیم نصاب پر حقیقت پسندانہ تبصرہ نگار کی کوئی دینی تصنیف سلیس عربی زبان میں ہماری نظر سے نہیں گزری جس کو دیکھ کر ایک عرب پہچان سکے، نہ وہ کوئی ایسی درس گاہ بنا سکے جس میں ایسے فضلاء تیار ہوئے ہوں کہ عربوں کی پسند کی عربی میں ان کو مہارت حاصل ہوئی ہو، برخلاف اس کے ہم کتنے علماء کی عربی دانی پر انکی دینی حدیثی خدمات کا حوالہ پیش کر چکے ہیں، اور یہ بھی خیال رہے کہ صرف عربی دانی کوئی کمال نہیں اہل عرب سارے ہی عربی جانتے ہیں تو کیا وہ تمام لوگ باوجود علوم قرآن وحدیث سے ناواقف ہونے کے عربی زبان کیوجہ سے تبصرہ نگار سے بھی افضل ہو گئے، صرف زبان دانی مدار فضیلت نہیں بلکہ علوم قرآن و سنت میں اس کے ذریعہ مہارت حاصل کرنا فضیلت کا معیار ہے وہ بحمد اللہ نصاب قدیم سے کما حقہ حاصل ہو رہی ہے جس پر ان کی تصانیف شاہد عدل ہیں، اور یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ نقص اور کمال میں تضاد نہیں کہ کمال کے حاصل نہ ہونے

سے نقص ثابت ہوجاتا ہو، دنیا میں بہت سے ایسے صاحب علم وفضل ہیں جن کو بعض کمالات کا علم حاصل نہیں ہوتا، ایک جج قانون دان کو ڈاکٹری کا علم نہیں آتا تو کیا یہ اس کیلئے بہت بڑا نقص ہے۔

ایک واقعہ

خلافت کے زمانہ میں انہی تبصرہ نگار صاحب نے کلکتہ میں قومی مدرسہ قائم کیا تھا مگر اس کی صدارت کیلئے اسی دار العلوم دیوبند کے فضلاء کی خدمات کی ضرورت پیش آئی اور ان کو دعوت دی گئی، چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے اسی فرسودہ نصاب کے پختہ کار اور ماہر استاد حضرت الاستاذ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو تجویز فرما کر وہاں کیلئے روانہ فرمایا تھا اور کچھ عرصہ تک حضرت مدنیؒ وہاں صدر مدرس رہے ایسی خلاف حقیقت بات شاید ہی کسی بڑے آدمی کی زبان وقلم سے نکلی ہو کہ بلا اشتثناء دینی مدارس کے تمام فضلاء کے بارہ میں کہہ دی گئی کہ ۱۴۔۱۵ برس عربی پڑھنے کے بعد بھی وہ دس سطریں عربی کی صلاحیت کے ساتھ نہیں لکھ سکتے۔ (ص ۴۱۴)

اس کو زورِ زبان وبیان یا زورِ قلم تو کہہ سکتے ہیں، حقیقت سے اس کو کچھ واسطہ نہیں تمام فضلاء کی طرف ایسی بات منسوب کرنا خلاف حقیقت ہے، اس کا مدار اصل میں تمرین ومشق پر ہے پڑھنے پر نہیں ہے ایسے بہت سے فضلاء مل جاتے ہیں جن کو عربی زبان لکھنے کی تمرین اور مشق نہیں کرائی جاتی پھر بھی وہ عربی زبان کی تحریر وتقریر پر قدرت رکھتے ہیں اور بڑے بڑے مقالے لکھ لیتے ہیں

حالانکہ زبان دانی مشق وتمرین پر موقوف ہے۔

مدارس دینیہ کا موضوع اور نصاب

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ان مدارس کے موضوع سے یہ بات غیر متعلق ہے اس کے مفید ومحمود ہونے میں کلام نہیں اس لئے سرے سے یہ اعتراض ہی صحیح نہیں کیونکہ یہ عربی دانی اور زبان دانی کے مدارس نہیں، یہ مدارس اس کیلئے موضوع نہیں ہیں یہ ایسا ہی اعتراض ہے کہ جیسے ایک قانون دان جج یالاء کالج پر کیا جائے کہ اس کو ڈاکٹری کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں ہے ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کے جواب میں تصریح ہے کہ میرے نزدیک درس نظامی کا ہیولیٰ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے متعلمین میں احادیث وشروح احادیث، قرآن وتفاسیر قرآن کے سمجھنے کی اچھی خاصی استعداد پیدا ہو جائے، اس طرح میرے نزدیک موجودہ نصاب کی غرض وغایت یہ نہیں کہ اہل مصر کی طرح پر عربی بولنا آجائے اس ہیولیٰ کو باقی رکھ کر اگر موجودہ نصاب میں ترمیم ہوگی تو صورت کی ترمیم ہوگی نصاب کی حقیقت نہ بدلے گی (ص ۳۵۵)

حضرت الاستاذ مرحوم کی رائے گرامی نہایت معتدل مبنی بر انصاف اور حقیقت پسندانہ ہے تقریباً یہی کچھ احقر عرض کرتا چلا آرہا ہے اب اس نصاب پر یہ اعتراض کرتے چلے جانا کہ اس سے اہل مصر کی طرح عربی زبان وتحریر نہیں آتی اس کے موضوع سے غیر متعلق ہے اس نصاب کا مقصد اور موضوع قرآن

واحادیث کے سمجھنے کی استعداد پیدا کرنا ہے، بحمداللہ تعالیٰ یہ مقصد اس سے حاصل ہورہا ہے، اوراگر اس میں کسی قسم کی کمی آرہی ہے تو ان اسباب پرغور کرکے ان کے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ اس نصاب کی صورت کی ترمیم ہوگی نصاب کی حقیقت کی تبدیلی نہ ہوگی اور یہ کوشش اس کے مقصداور موضوع سے متعلق ہوگی اوراس سے کسی کوبھی انکارنہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے اس پرعمل ہورہا ہے اب یہ وہ نصاب کہاں رہ گیا ہے کہ جوابتداء میں تھااس میں بہت کچھ ترمیمات ہوتی رہی ہیں البتہ اس کا ھیولیٰ وہی رہا آئندہ بھی اس کے موضوع ومقصد کو باقی رکھتے ہوئے اس میں یہ ترمیمات کا سلسلہ جاری رہیگا یہ حرف آخرنہیں بلکہ تجرباتی نصاب ہےاس کو باقاعدہ پڑھ کے بڑے بڑے کملاءاور فضلاء تیار ہوئے ہیں اس کے بالمقابل کئی نصاب بنے مگراس سے استفادہ کرنے والے فضلاء اس قدر جامع اورقرآن وسنت کے شارح اور خادم نہیں پیدا ہوئے یہ ایک حقیقت ہےاس کوجھٹلایانہیں جاسکتا، انکی تصنیفی خدمات قرآن وسنت سے متعلق اس پرگواہ ہیں اور یہ کہنا بھی ناواقفیت پرمبنی ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے درس نظامی میں ترمیم کی بات سننا بھی اکثر لوگوں پرگراں گزرتا تھا (ص ۳۴۹)

تقسیم سے پہلے کئی مرتبہ اس نصاب میں ترمیم ہوئی بلکہ اس کے بالمقابل ندوۃ العلم کا نصاب ہےاوران کے موافق تعلیم دی گئی مگر یہ قدیم نصاب ان سب نصابوں سے اپنے مقصد میں زیادہ کامیاب ثابت ہوا۔

یہ صحیح ہے کہ یہ حرف آخر نہیں مگر جو چیز حرف آخر نہ ہو کیا ضروری ہے کہ اس کو بدل ہی دیا جائے جب تک اس کی مضرت ثابت نہ ہو اور قدیم نصاب کی مضرت ثابت نہیں ہوئی اور جو نقائص ثابت کئے جا رہے ہیں وہ مفید نصاب کے لحاظ سے قابل اعتناء نہیں ہے اور زبان دانی کوئی قابل فخر نہیں البتہ قرآن وسنت کے فہم وتفہیم کا ذریعہ ہونیکی حیثیت سے مطلوب ہونے میں کلام نہیں، مگر جدت پسند جو اعتراض زبان دانی کے نہ آنے سے کر رہے ہیں یہ قطعاً اس نصاب کے موضوع سے غیر متعلق ہے۔

دین ودنیا کی مخلوط تعلیم

خلاصہ معروضات یہ ہے کہ قدیم نصاب میں ہمیشہ ترمیم ہوتی رہی ہے اوراب بھی اس کے مقصد کو سامنے رکھ کر ترمیم پر غور کیا جانا مناسب ہے مگر غور وخوض میں ایک تو اس کے مقصد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے غیر مقصودی چیزیں چاہے وہ کتنی ہی مفید ونافع ہوں وہ مطمح نظر نہیں ہونی چاہئیں، کیونکہ ان غیر مقصودی امور کی تعلیم کے لئے ملک میں سرکاری سطح پر بکثرت مدارس کھلے ہوئے ہیں جو ان امور کی تعلیم کے طالب ہیں وہ اس طرف رخ کر رہے ہیں اور سرکاری ملازمتیں اور دنیا ان کا مطمح نظر ہے۔ان دینی مدارس کو بھی دین ودنیا کی مخلوط تعلیم سے ع ایک معزز پیٹ ہے کا مصداق نہیں بنانا چاہیے۔ جب ندوۃ العلوم کے مخلوط نصاب کا ذکر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں آیا تو فرمایا

تھا کہ قضیہ عقلیہ ہے کہ نتیجہ ہمیشہ تابع ارذل کے ہوتا ہے دین و دنیا کے اجتماع کا نتیجہ یہی ہوگا کہ دنیا غالب آ جائے گی نتیجہ یہی ہوا۔ جامعہ ملیہ اور پاکستان میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کے مخلوط نصاب کے اثرات ونتائج ارباب علم کے سامنے ہیں۔

اب وفاق لمدارس العربیہ کے نصاب میں جو تبدیلی کی گئی اور حکومت نے اس کی سند کو قبول کرلیا اس کا نتیجہ یہی دنیا کا غلبہ ہی ہو رہا ہے، ہمارے مدارس میں چندوں کے ذریعے ۱۶ سال علم حاصل کرکے سرکاری ملازمتوں کو اختیار کر لیتے ہیں اور دینی مدارس کو جن سے یہ فیض یاب ہو کر اس قابل ہوئے کہ وہ کہیں ملازمت کرسکیں ان کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، دینی مدارس کو قابل مدرس دستیاب نہیں ہوتے اہل مدارس قابل مدرسین کی تلاش میں سرگردان پھر رہے ہوتے ہیں ،اور ہمارے مدارس کے فضلاء سرکاری مدرسہ کو دینی تدریس پر ترجیح دیتے ہیں، یہ خالص دنیا ہی ہے مگر اس کا نام معاشی مسئلہ رکھ دیا ہے۔

یہ معاشی مسئلہ ہر زمانہ میں رہا ایک طرف علی گڑھ معز ز پیٹ کا مصداق تھا دوسری طرف دار العلوم دیوبند وغیرہ دینی مدارس نان جویں پر علمی و عملی سبق دے رہے تھے اور ع دل روشن ہے مثال دیوبند کے مصداق بنانے اور دین کو دنیا پر غالب کرنے کی ترغیب دے رہے تھے، زمانہ کے تقاضے ان حضرات کے سامنے بھی تھے اور مسئلہ معاش ان کے بھی درپیش تھا مگر ان حضرات نے ہر حالت

میں دین کو مقدم رکھا اور اسی کی تعلیم فرمائی۔

دوسرے ایسے تجربہ کار مدرسین اور ماہرین تعلیم سے مشورہ کیا جانا چاہیے جنہوں نے اس وادی میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا ہے، صرف اس کا پڑھ لینا ہی مشورہ دینے کے لیے کافی نہیں بلکہ ایک عرصہ دراز تک اس میدان کی سیاحت بھی ضروری ہے، پڑھنے کے بعد کالجوں، یونیورسٹیوں میں زندگی گزارنے والوں کا تعلیمی تجربہ لیا جانا ان کے دائرہ کار میں ہی مفید ہوسکتا ہے، دینی مدارس کے نصاب کے بارہ میں ان کا مشورہ ایسے ہی ہے جیسے ایک ڈاکٹر سے لاء کالج کے نصاب کے بارہ میں مشورہ لینا۔اس نصاب کے پڑھنے کے باوجود تمام عمر پڑھانے کی نوبت نہیں آتی پھر ان سے اس بارہ میں مشورہ لینا کیا مفید ہوسکتا ہے یہ سوال نامہ بعض ایسے مشاہیر کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا اگرچہ وہ اپنے فضل وکمال کے اعتبار سے عالمی شہرت کے مالک تھے، اور ذہانت وفطانت کے بھی علمبردار تھے، مگر چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھنے کے بعد ان کو ان کتابوں کے پڑھانے اور تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی، انہوں نے دنیوی اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اپنی آراء کا اظہار کیا ہے مگر اکثر حضرات کی آراء نصاب قدیم کے مقصد اور موضوع کے مطابق وہ آراء نہیں ہیں۔

درس نظامی کے متعلق چند اہم آراء

(ا) جن اکابر عصر اور ماہرین تعلیم نے تمام عمر اس نصاب قدیم کو پڑھایا

اورتحریروتدریس کے ذریعہ بے مثال خدمات انجام دیں ہیں ان کی ہرگز یہ رائے نہیں ہے کہ کنزالدقائق یا کافیہ جیسی کتابیں درس نظامی سے کم کی جائیں، اور وہ سمجھتے ہیں اوران کا تجربہ ہے کہ ان کتابوں کے اغلاق اور مضامین کی دشواری سے طلبہ کے اذہان پرصیقل ہوجاتی ہے اوران کوعادت ہوجاتی ہے کہ غورکرکے کسی مضمون کونکال سکیں اورمسائل کے فروق میں غورکرسکیں، گویا جس طرح جسمانی طاقت کے لیے ورزش کرائی جاتی ہے اسی طرح ذکاوت حاصل کرنے کے لیے یہ کتابیں دماغی ورزش کاذریعہ ہیں اس میں کمی کرنے سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جوالمسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ کاترجمہ یوں کیا کریں گے ''کہ مسلمان وہ ہے جومسلمانوں کوہاتھ اورزبان سے سلام کرے'' (رائے گرامی حضرت الاستاذمولانا اعزازعلی صاحب شیخ الادب والفقہ ص۳۵۵و۳۵۶)

(۲) ہدایہ پڑھانے کے ساتھ طلباء کوشرح نقایہ کے مطالعہ کی ہدایت کی جائے توبہت ہی مفیدہوگااوراگراس کاامتحان بھی لیاجائے توسونے پرسہاگہ کا کام دے گا۔

(۳) حضرت شیخ الادب والفقہ فرماتے ہیں کہ میری رائے قطعانہیں ہے کہ منطق، ریاضی، فلسفہ درس نظامی میں سے قطعاخارج کردیاجائے، میری خواہش ہے کہ ان کی تعلیم اسی طرح پردی جائے کہ کامل الفن لوگ پیدا ہوں۔ (ص۳۵۶)

(۴)تفسیر کی کتاب جلالین تجربہ سے بہت مفید ثابت ہوئی لیکن پڑھانے کاطرز و قال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا کی یاددلاتا ہے۔

تفسیر میں اضافہ کی ضرورت ہے، اگر تفسیر مدارک کا اضافہ درس کے لئے کردیا جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے تفسیر مظہری بہت مناسب ہے مگر وہ طویل ہے اس کو پڑھانے کے بجائے مطالعہ کے لئے رکھا جائے تو بہت فائدہ ہو، ساتھ ہی بیان القرآن کے مطالعہ سے بھی تفسیر اور بیان قرآنی کی ضرورت پوری ہوجائے۔

حضرت شیخ الادب والفقہ کی رائے گرامی ہے کہ موجودہ نصاب میں ترمیم کرنے سے پہلے طرز تعلیم کی کڑی نگرانی کی ضرورت ہے۔

حضرت مولنا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے گرامی تفسیر کے متعلق وہی ہے جو اوپر عرض کی گئی ہے۔ حدیث میں وہ دورہ حدیث کی کتب متداولہ کے کافی ہونے کے ساتھ صرف اعلاء السنن مکمل کے اضافہ کی ضرورت کا اظہار فرماتے ہیں۔

یہ کتاب بہت طویل ہے اس سے استفادہ کی ایک تجویز خود حضرت مولف علامہ حضرت مولنا ظفر احمد عثانی کی فرمائی ہوئی ہے اگر اس کو اہل مدارس اپنالیں تو بہت مفید ہو، وہ یہ کہ مشکوٰۃ شریف کی فصل ثالث کے ساتھ ایک فصل

رابع کا اضافہ کردیا جائے اوراس فصل میں ادلہ حنفیہ کی احادیث کااعلاء السنن سے انتخاب کرکے جمع کردیا جائے ،اوراس کومشکوٰۃ شریف کے ساتھ پڑھایا جائے مدرسین حضرات اعلاء السنن سے استفادہ کرکے اس کو پڑھایا کریں۔

(۲)فقہ میں کتب متداولہ کنز،ہدایہ وغیرہ کافی ہیں ضرورت اس کی ہے کہ ماہر علماء درس کے لئے مقرر ہوں جواپنی زندگی کا مقصد درس کی تکمیل کو سمجھیں اور کتابیں اول سے آخر تک پوری محنت سے پڑھائی جاویں۔

(۳)علوم آلیہ میں جوکتب درس نظامی میں مروج ہیں اختصار کے لئے ان میں سے زواہد ثلثہ ،شرح مواقف ،مطول کوحذف کردیا جائے تو مضائقہ نہیں،اب وفاق المدارس العربیہ کے نصاب میں ان کوشامل نہیں رکھا گیا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کاارشاد ہے کہ:میرے خیال میں نصاب کی تجویز وتشکیل کی فکرفضول ہے جوموجودہ مروجہ نصاب ہے وہ بھی کافی ہے ،اس میں مقامی اوروقتی ضرورت سے معمولی تغیر کردیا جائے تو یہ مفید ہوسکتا ہےمگراصل توجہ اورفکر کی چیز رجال کار کامہیا کرنا ہے جواشاعت علم اورتربیت طلباء کواپنی زندگی کا مقصد سمجھیں ، جتنے اکابر علماء اب تک پیدا ہوئے وہ اسی نصاب کے فاضل ہیں جس کوآج فرسودہ کہا جاتا ہےمگر اساتذہ کاملین و ماہرین تھے ،اس لیے اسی نصاب سے سب کچھ حاصل ہوگیا۔(ص۳۷۶)

مرشدی حضرت مفتی صاحبؒ کا یہ جملہ کس قدر بصیرت افروز اورحقیقت

شناسی کا مظہر ہے کہ ''اس نصاب سے سب کچھ حاصل ہو گیا'' حقیقت یہی ہے کہ نصاب کے بدلنے کی فکر سے زیادہ فکر اساتذہ کاملین و ماہرین کی طرف توجہ کرنے کی ہے، اگر طریقہ سے اس نصاب کو پڑھ لیا جائے تو اسی نصاب سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔

مولانا فاروق احمد صاحب نے بھی کیا خوب فرمایا ہے کہ: کیا اکابرین علماء دیوبند، سہارنپور، دہلی اسی نصاب کے پروردہ نہ تھے، اگر یہ نصاب ذاتی طور سے ناقص ہوتا تو اس قدر اہل کمال اس نصاب کی بدولت پیدا نہ ہو سکتے، البتہ جزوی ترمیم اگر کی جائے تو مناسب ہے (۳۷۹)

درخت اگر اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو اس نصاب قدیم کے ثمرات تو ہزاروں فضلاء آپ کے سامنے ہیں اور دوسرے نصابوں کے فضلاء کے مقابلہ میں ہمیں فخر کے ساتھ یہ کہنے کا موقع ہے:

اولئك آبائي فجئني بمثلهم اذا جمعتنا يا جرير المجامع

دوسرے طرز تعلیم بدلنے کی ضرورت ہے قدیم طرز تعلیم میں طلباء کی استعداد پختہ ہوتی تھی اب طلباء کی بجائے مدرسین کی استعداد میں تو بوجہ مطالعہ اور تیاری کے اضافہ ہوتا ہے مگر طلباء میں مطلوبہ استعداد و پختگی نہیں آتی۔

مولانا فاروق صاحب بھی فرماتے ہیں کہ قدیم طریقہ تعلیم کو چھوڑنے کا باعث ہی ہمارے نصاب تعلیم کی بدنامی کا سبب ہو رہا ہے (ص ۳۸۰) نیز

فرماتے ہیں کہ موجودہ طریقہ یہ ہوگیا ہے کہ طلباء نے عبارت پڑھی اور استادوں نے تقریر کردی یہ نہایت مضر ہے اس کو چھوڑا جائے اور طلباء سے ہی تقریر کرائی جائے اس میں ابتداء اگر چہ سبق کم ہوگا طلباء دل برداشتہ ہوں گے۔ نیز فرماتے ہیں تجربہ سے معلوم ہوا کہ تحتانی اور وسطانی درجات کا تقریر کرنا موجودہ صورت میں ان کی آئندہ ترقی کو مانع ہوتا ہے تقریر آنے کی صورت میں تعلیم کو چھوڑ کر وعظ گوئی کا پیشہ اختیار کرنے میں ضلوا واضلوا کا مصداق بنتے ہیں نیز وعظ گوئی مشکل نہیں مناسبت کی ضرورت ہے وعظ گوئی کی شکل میں مشکل کتابوں کی طرف توجہ مشکل ہو جاتی ہے اور اس طرح تعلیم سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اس کے حل کی صورت یہ ہے کہ ایک یوم تقریر کے واسطے ان کی تعلیمی کتابوں سے ان کو مضامین دیے جائیں۔ (ص ۳۸۲) یہی طریقہ وعظ سکھلانے کا ہمارے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے طلباء کیلئے تجویز فرمایا تھا۔

(۳) فتاوی بزازیہ فتوی سیکھنے کیلئے مفید ہو سکتا ہے مگر قدوری، کنز کا بدل ہونا مشکل ہے اور بدایۃ المجتہد میں اختلاف مذاہب کو متوسط طلباء کے لیے سنبھالنا مشکل ہوگا البتہ اتقان کا پہلا حصہ اگر شامل درس کیا جائے تو مفید ہے۔

جلالین دو سال میں پڑھائی جانے کی تجویز بہت عمدہ اور مفید ہے۔ اور مشکوۃ شریف سے پہلے ریاض الصالحین کا اضافہ بہت مفید اور مبارک ہے اور منطق میں ملا مبین بہت مفید ہے وہ مختصر طریقہ پر سلم کا حل ہے۔ ملا حسن کے

ساتھ بھی اگر اس کو مطالعہ کیلئے تجویز کیا جائے تو مفید ہوگا۔

میراث میں سراجی کو ہائی کورٹ کا درجہ حاصل ہے مگر اس میں عملی مشق اور استخراج مسائل کی ضرورت ہے صرف حل کتاب کافی نہیں، اصحاب الفروض کے حصص اور رد وعول کے قواعد اور تصحیح کے اصول حفظ کرائے جائیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے پہلے قدوری اور کنز میں بھی کتاب الفرائض کو پڑھایا جائے تاکہ سراجی کے پڑھنے سے پہلے اس فن سے کسی قدر مناسبت ہو جائے، اکثر ان کتابوں میں کتاب الفرائض سراجی کے بھروسہ پر پڑھائی نہیں جاتی، پھر سراجی میں طلباء کیلئے مباحث بالکل اجنبی ہوتے ہیں وہ اس کو کما حقہ سمجھنے پر قادر نہیں ہوتے، ویسے بھی ایک فن کی کئی کتابیں اسی لئے رکھی گئی ہیں کہ تکرار سے مسائل کا استقرار ہو جائے۔

معانی میں دروس البلاغۃ مفید ہے مگر مختصر معانی کے ساتھ اس کو رکھا جانا مفید ہوسکتا ہے، مختصر معانی طالب علم کو سمجھدار بناتی اور عبارت فہمی کا ملکہ پیدا کرتی ہے مگر تلخیص المفتاح کا سبق پہلے ہو جتنے حصہ کا سبق ہو چکے اتنے ہی حصہ کی شرح مختصر معانی میں پڑھائی جائے تو ان شاء اللہ مفید ہوگا۔

اب تک جو کچھ نصاب کی اصلاحات کے بارہ میں لکھا گیا وہ ،، ماہ فضل وکمال،، کے مکاتیب بسلسلہ ,,نصاب تعلیم،، کی روشنی میں تجربہ کار علماء متبحرین اور فضلاء کاملین کی آراء مبارکہ کے بہت ہی مختصر اقتباسات تھے، یہ وہ حضرات تھے

جنہوں نے اپنی تمام عمر اسی نصاب قدیم درس نظامی کے پہلے پڑھنے میں پھر پڑھانے میں ہی گذاری ہے کہیں کہیں کچھ احقر نے اپنے فہم کے مطابق ان حضرات رحمہ اللہ کی خوشہ چینی کرتے ہوئے لکھ دیا ہے۔

یہ بات اصل میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے اس ارشاد گرامی کے سلسلہ میں شروع ہوئی تھی کہ حضرت کی رائے گرامی یہ تھی کہ:

''دورہ حدیث شریف دو سال میں ہوا کرے''

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کی بھی دورہ حدیث کے متعلق یہی رائے تھی اور وہ اسی کو مفید تصور فرماتے تھے، پہلے سال ترمذی شریف اور دوسرے سال بخاری شریف اصل قرار دی جائیں باقی توابع (ماہ فضل وکمال ص۳۷۲)

بزرگان مظاہر علوم سہارنپور کی آراء

اب ہم اس سلسلہ کو سابق صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمہم اللہ کی رائے گرامی کے چند مختصر اقتباسات کو اپنی ان معروضات کا خاتمہ بناتے ہیں۔

(۱) اب تک جو ان اداروں نے کام کیا ہے اور مقصد میں کامیاب رہے تو اس وجہ سے کہ حکومت سے بے تعلق رہے۔ خود بلاد اسلامیہ حجاز وغیرہ میں غور کیا جائے کہ حکومت کے دخل سے اداروں کی آزادی کس قدر سلب ہوگئی اور اہل

ادارہ کس قدر رتنگ ہیں یہ سب کچھ امداد کی بدولت ہوا ہے۔

(۲) حکومت کی امداد خود مستقل ایک سبب میلان طبع ہے اس کی وجہ سے مدیرین مدارس وادارت خود اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں الخ۔

(۳) اشتراک حکومت یا اس کے مشورہ سے جو نصاب مرتب ہو گا وہ ادارت قدیمہ اور درس گاہ ھائے قدیمہ کیلئے غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر یا اس کی حقیقت کو مٹانے والا ہے۔ حکومت کی اغراض اور ان اداروں کی اساس واغراض میں بعد بین المشرقین ہے فکیف یتحدان سوائے طمع امداد یا دیگر اغراض فاسدہ کے کوئی چیز نہیں۔

(۴) تعجب ہے کہ جو ہستیاں آج دنیا میں برسر اقتدار ہیں اور اس نصاب قدیمہ کے خوشہ چیں ہیں انہیں کے ہاتھوں اس کی بیخ کنی ہو رہی ہے یا للعجب لضیعۃ الادب۔ عالم کے عجائبات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس بنی نوع کے ہاتھوں کسی چیز کی بنیاد رکھی جاتی ہے انہیں کے ہاتھوں اس چیز کی بیخ کنی ہوتی ہے فیاحسرۃ علی العباد۔

(ماہ فضل وکمال ص ۳۶۴)

یہ مختصر گزارشات مدارس کے نصاب تعلیم کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہیں یہ کوئی مستقل مضمون نہیں ہے اب اسی پر قناعت کی جاتی ہے۔

۱۶ جمادی الاخری ۱۴۱۷ھ